بحرالعلوم عبدالعلی محمد فرنگی محلی

(۱)

ڈاکٹر محمد اقبال انصاری، صدر شعبہ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اگرچہ ہندوستان عہد قدیم ہی سے علوم و فنون کا گہوارہ رہا ہے اور اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے اکثر بیرونی علماء و فضلاء کی توجہ کا مرکز بھی رہا ہے پھر بھی اسلام کی آمد نے اسے علوم و معارف اسلامیہ کا گنجینہ و سرچشمہ بناکر اس کی عظمت میں چار چاند لگا دئے۔ علوم اسلامیہ کے چشمے یوں تو پورے ہی ملک میں جاری ہوئے مگر صوبۂ اودھ کو نمایاں خصوصیت حاصل رہی جس نے بہت سی گرانقدر علمی خدمات انجام دیں اور بے شمار علماء و فضلاء کو جنم دیا۔ اودھ کے جو قصبات علمی خدمات میں پیش پیش رہے ان میں سہالی، دیوہ، گوپامئو اور بلگرام وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو اپنی علمی فیض رسانی میں دہلی اور لکھنؤ سے بجا طور پر ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اُس صوبہ میں دس دس پانچ پانچ میل پر شرفاء و نجباء کے دیہات آباد تھے جن میں اچھے اچھے نامور فضلاء درس دیتے تھے اور دور دور سے تحصیل علم کے لئے آتے تھے، سلاطین وقت کی طرف سے ان درسگاہوں کے لئے دیہات معاف تھے[1]۔

انھیں درسگاہوں میں ایک سہالی بھی تھا جو کسی زمانہ میں بہت بڑا قصبہ تھا۔ اساتذہ کے

۱۔ شبلی نعمانی: مقالات شبلی، ج ۳ (اعظم گڑھ، ۱۹۵۵ء)، ص ۱۰۳

امام، علماء کے قائد، علوم عقلی کے معدن اور فنون نقلی کے مخزن[1]، ملا قطب الدین شہید سہالوی (م ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء) اسی قصبہ سہالی کے رہنے والے تھے اور یہیں تمام عمر تدریس وتعلیم میں مشغول رہے۔ ان کے نامور فرزند، استاد الہند ملا نظام الدین محمد سہالوی (۱۶۷۶ء - ۱۷۴۸ء) نے والد کی شہادت (۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ) کے بعد صوبۂ اودھ کے دارالحکومت لکھنؤ کے اس علاقہ میں سکونت اختیار کی جو فرنگی محل کے نام سے موسوم ہے اور یہیں سے اطراف واکناف ہند میں علم وحکمت کے دریا بہائے اور یہیں درس نظامی کی بنیاد رکھی جو نہ صرف جلد ہی علمی دنیا میں سکہ رائج الوقت بن گیا بلکہ امتدادِ زمانہ کے باوجود اب بھی رائج ہے اور اس نے ہندوستان میں جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں ہیں، اس درس کی جہاں اور بہت سی خصوصیات ہیں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ پڑھنے والوں میں ایسی استعداد اور صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ فراغت سے پہلے ہی بعد کی منزلیں خود بخود طے کرنے لگتے ہیں[2]۔

نام وولادت اسی نامور استاد الہند اور بانی درس نظامی کے فرزند ملا بحر العلوم کے نام سے مشہور ہوئے جو ۱۱۴۲ھ[3] میں فرنگی محل (لکھنؤ) میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ عام طور پر تذکرہ نگاروں نے آپ کا نام عبد العلی لکھا ہے مگر درحقیقت آپ کا پورا نام عبد العلی محمد بن

۱۔ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ترجمہ محمد ایوب قادری (کراچی: ۱۹۶۱ء)، ص ۳۹۰

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شبلی نعمانی: حوالہ بالا، ص ۱۰۲ - ۱۲۵ نیز محمد رضا انصاری: بانی درس نظامی، استاذ الہند ملا نظام الدین (فرنگی محلی) (لکھنؤ: ۱۹۷۳ء)، ص ۲۵۹ — ۲۷۸

۳۔ تاریخ ولادت تخمینی ہے، میرے نزدیک یہ زیادہ ترین قیاس ہے۔ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے تذکرہ علمائے فرنگی محل (لکھنؤ: ۱۹۳۰ء)، ص ۱۳۷ پر بھی سنہ درج کیا ہے۔ یوسف کوکن نے بحر العلوم (مدراس: ب، ت) ص ۱۴ پر سنہ ولادت ۱۱۴۴ھ لکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رضا انصاری: مصدر سابق، ص ۱۴۶

نظام الدین محمد انصاری تھا۔ یہی نام خود انھوں نے اپنی تصنیفات فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت وغیرہ میں لکھا ہے اور یہی نام اس خط کے آخر میں بھی درج ہے جو انھوں نے فارسی میں شوال ۱۲۱۸ھ میں نواب عظیم الدولہ کے نام وظیفہ کے اجراء کے لئے لکھا تھا[1] البتہ عمر رضا کحالہ نے غالباً عبدالعلی اور نظام الدین کو لقب خیال کر کے آپ کا نام محمد بن محمد الکنوی لکھا ہے[2]۔ آپ کی کنیت ابو العیاش تھی اور بحر العلوم لقب اور ملک العلماء سرکاری خطاب تھا۔

تعلیم و تربیت ابتدائی تعلیم اپنے نامور پدر بزرگوار ملا نظام الدین محمد سہالوی سے حاصل کی اور انھیں کی آغوش تربیت میں پلے بڑھے جب چار سال چار ماہ کے ہوئے تو ملا صاحب نے بڑے تزک و احتشام سے اپنے اکلوتے فرزند کی بسم اللہ کی تقریب کی جس میں بڑے بڑے علمائے وقت، فضلائے زمانہ اور مشائخ کبار نے شرکت کی۔ چونکہ آپ کو گھر ہی میں تعلیم و تربیت کی ساری سہولتیں فراہم تھیں اس لئے اپنے والد ماجد کی حیات میں کسی اور سے استفادہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ البتہ ان کے انتقال کے بعد انھیں کے شاگرد خاص ملا کمال الدین سہالوی ثم فتحپوری (۱۱۰۴ھ - ۱۱۷۵ھ) سے جو جامع معقول و منقول، حامی فروع و اصول اور اپنے زمانہ کے ذہین افراد میں سب سے افضل تھے[3] گاہے گاہے بعض پیچیدہ مسائل میں کچھ استفادہ کیا۔

سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی، اُس کے بعد آپ کے والد نے لکھنؤ کے قریب قصبہ کاکوری کے محلہ جزیہ گڑھی کے شیخ محمد مشرف عباسی کی دختر کے ساتھ آپ کا عقد کر دیا۔ اُس کے چھ ماہ بعد ہی

۱۔ کوکن: مصدر سابق، ص ۲۳-۲۴

۲۔ عمر رضا کحالہ: معجم المولفین ج ۱۱ (دمشق: ۱۹۶۰ء)، ص ۲۶۲

۳۔ رحمان علی: مصدر سابق، ص ۳۹۹

۹ جمادی الاولی ۱۱۶۱ھ میں ملا صاحب کا انتقال ہوگیا، اگرچہ انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اور خود ہی ساری تعلیم دی تھی نیز ہمہ وقت اس کے متمنی رہتے تھے کہ وہ خلف الصدق ثابت ہو اور ملاقات کے لئے آنے والوں سے بھی بیٹے کے لئے دعا کے خواستگار رہتے تھے پھر بھی گھر کی ساری ذمہ داریاں سر پر آن پڑنے کے باوجود والد ماجد کی قائمقامی کا دھیان اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ تابڑ توڑ دو واقعے پیش نہیں آئے۔[1]

پہلا واقعہ تو یہ پیش آیا کہ ملا صاحب کے وصال کے بعد ایک فقیر صدا لگاتا ہوا دروازے پر آیا، گھر سے ماما نے نکل کر اس کو کچھ دینا چاہا، فقیر نے نہیں لیا اور ملا صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، ماما نے جواب دیا کہ ملا صاحب پردہ فرما چکے ہیں، فقیر نے کہا "ان ملا صاحب سے نہیں ان کے بیٹے ملا صاحب کو میں کہہ رہا ہوں" ماما نے اندر آکر ملا عبدالعلی سے کہا کہ باہر آپ کو کوئی پوچھ رہا ہے۔ نوجوان "ملا" عبدالعلی چھت پر کبوتر اڑا رہے تھے اسی حالت میں باہر آگئے، ایک کبوتر بھی ہاتھ میں تھا فقیر نے کہا "آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ کبوتر اڑائیں"۔ ملا عبدالعلی نے کبوتر ہاتھ سے اڑا دیا[2]

دوسرا واقعہ غالباً اس کے بعد پیش آیا۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ فاتحۃ الفراغ پڑھنے والے شاہ پیر محمد صاحب (م ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کے موقعہ پر ٹیلہ کی مسجد پہ حاضر ہوتے۔ جس میں اکابر علمائے ہند بھی موجود ہوتے اور انھیں کے سامنے دستار بندی ہوتی۔ اپنی زندگی میں استاذ الہند ہی مجلس کے صدر نشین ہوا کرتے تھے ان کی وفات کے بعد "جب یہ موقعہ دستار بندی کا آیا حضرت بحر العلوم بھی

۱۔ رضا انصاری: مصدر سابق، ص ۲۰۳ بحوالہ بحر زخار (فارسی) از وجیہ الدین اشرف لکھنوی مخطوطہ

۲۔ رضا انصاری: مصدر سابق، ص ۱۴۹ — ۱۵۰

موافق معمول کے گئے مگر صرف تماشہ دیکھنے کو، بٹیر کی کابک ہاتھ میں تھی۔ جس وقت دستاربندی کی رسم ادا ہونے لگی تو مجمع بہت زائد تھا، بحرالعلوم اس رسم کو دیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے آگے بڑھے مگر کسی طرف سے بھی مجمع کی وجہ سے جانے نہیں پاتے تھے آخر ایک طرف سے جانے لگے تو تو کسی نے زور سے ان کو دھکا دیا اور کہا کہ کہاں بڑھے چلے جاتے ہو۔ بحرالعلوم نے جواب دیا کہ مجھکو نہیں جانتے میں ملا نظام الدین کا لڑکا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ سبحان اللہ، استاد الہند کے اگر تم بیٹے ہوتے تو مسند پر صدر میں ہوتے یا یہاں بٹیر کی کابک ہاتھ میں لئے ہوئے ہوتے، مولانا کی حمیت جوش میں آگئی۔ کابک وہاں ہی توڑ ڈالی اور بٹیریں اڑادیں اور گھر آکر کتاب بغل میں لی اور پدر بزرگوار کے مزار پر حاضر ہو کر دیر تک گریاں رہے اس کے بعد کتاب کھول کر مطالعہ شروع کیا[1]۔" اور علم کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے یہاں تک کہ فاضل اجل اور عالم بے بدل، جامع معقول و منقول اور عارف ظاہر و باطن ہو کر مرجع انام ہو گئے اور جلد ہی ان کا نام ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہونچ گیا۔

مختلف اسفار بحرالعلوم کی شہرت پھیلتے ہی دور دور سے تشنگان علم اُن کے حلقۂ درس میں شرکت کی غرض سے جوق در جوق آنے لگے اور مدرسہ بحرالعلوم زبان زد خلائق ہو گیا مگر ایک ناخوشگوار واقعہ کی وجہ سے جو سراسر غلط فہمی پر مبنی تھا بحرالعلوم کو لکھنؤ کو خیرباد کہنا پڑا۔ ہوا یوں کہ عشرہ محرم کے روز فرنگی محل کی گلی سے تعزیوں کا جلوس گزر رہا تھا، خان بہادر سید نورالحسن بلگرامی اُس زمانہ کی ایک بہت ہی سربرآوردہ شخصیت تھے۔ شیعی مسلک رکھتے تھے اور رسوم عزاداری کے حد درجہ پابند تھے چنانچہ اپنے انھیں مذہبی اعتقادات کی بنا پر اپنے زنانہ حصہ مکان میں ایک امام باڑہ بھی قائم کیا جہاں تبرکات محرم میں علم، ماہی اور مراتب وغیرہ آج بھی موجود ہیں۔ موصوف لغرض علاج ان دنوں فرنگی محل میں مقیم تھے اور بوجہ علالت تعزیہ کی زیارت کو نہیں جا سکتے تھے اس لئے

۱۔ عنایت اللہ: مصدر سابق، ص ۱۳۸ نیز رضا انصاری: مصدر سابق، ص ۱۵۰

تعزیہ کو بلوا کر اپنی قیامگاہ سے اس کی زیارت کرنا چاہی، درمیان میں ملا بحرالعلوم کا مدرسہ پڑتا تھا جو اس وقت حضرات حسنین کی نذر کے شربت پر فاتحہ دے رہے تھے، چونکہ اُس طرف سے تعزیہ کے گذرنے کا دستور نہ تھا اس لئے جب انھوں نے تعزیہ اُدھر آتے دیکھا تو اشارہ سے تعزیہ روکنے کو کہا۔ طلباء یہ سمجھے کہ بحرالعلوم کے اشارہ کا مطلب یہ ہے کہ تعزیہ توڑ ڈالا جائے چنانچہ انھوں نے اسے فوراً توڑ ڈالا۔ فاتحہ سے فراغت کے بعد بحرالعلوم طلباء پر بیحد برہم ہوئے مگر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اور اس نے جلد ہی سنی شیعہ نزاع کی شکل اختیار کر لی، لکھنؤ میں اس وقت شیعہ عملداری تھی اور شجاع الدولہ کا زمانہ تھا۔ اس کے باوجود بحرالعلوم کی مقبولیت کا عالم تھا کہ چشم زدن میں عوام و خواص کی اتنی بڑی فوج ان کی مدد کو آگئی کہ حکومت ان کا ایک بال تک بیکانہ کر سکی اور بالآخر صلح کے لئے پیغام بھیجا جسے انھوں نے مسلمانوں کے درمیان باہمی مصالحت کی خاطر قبول کر لیا۔[1]

اگرچہ یہ واقعہ بحرالعلوم کی مقبولیتِ عام کی دلیل تھا پھر بھی اعزا و احباء کے مشورہ پر مولانا نے لکھنؤ سے شاہجہاں پور منتقل ہوجانا ہی مناسب خیال کیا جہاں ان دنوں حافظ رحمت خاں روہیلے کی حکومت تھی، انھوں نے آپ کی بیحد تعظیم و تکریم کی اور آپ کے و نیز طلبا کے تمام مصارف خود برداشت کئے۔ شاہجہاں پور پہونچتے ہی آپ کی شہرت سن کر دور دور سے طلباء وہاں جوق درجوق آنے لگے اور ان کی تعداد میں یوماً فیوماً اضافہ ہونے لگا اس کے باوجود مولانا نے تدریس کے ساتھ تصنیفی مشاغل کو بھی جاری رکھا مگر ۱۱۸۸ھ میں حافظ رحمت خاں نے شہادت پائی جس کے بعد تمام

۱۔ رضا انصاری: مصدر سابق ص ۱۵۲ بحوالہ رسالہ قطبیہ از ملا عبدالاعلیٰ فرنگی محلی (فارسی، قلمی) ص ۳۲

۲۔ نواب عبداللہ خاں ملاحظہ ہو عبدالحی الحسنی: نزہتہ الخواطر و بہجتہ السامع والنواظر (حیدرآباد: ۱۹۵۹ء) ج ۷ ص ۲۸۴

شاہجہاں پور شجاع الدولہ کے ماتحت چلا گیا جس کی عملداری میں لکھنؤ کا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا، اس لئے تقریباً بیس سال قیام کے بعد مولانا کو شاہجہاں پور کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔[1]

یہاں سے نواب فیض اللہ خاں والی رامپور کی دعوت پر بحرالعلوم وہاں تشریف لے گئے۔ انھوں نے بھی مولانا اور ان کے طلبار کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور ہر ممکن سہولت بہم پہونچائی مگر طلبار کی کثرت اور ریاست کی خستہ حالی کے باعث وہ اُن کا تمام خرچ برداشت کرنے میں دقت محسوس کرنے لگے تھے کہ اسی اثنا میں منشی صدر الدین بوہاری نے مولانا سے اپنے مدرسہ جلالیہ میں تعلیم و تدریس کی درخواست جو انھوں نے ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء میں سید جلال الدین تبریزی (م ۶۴۲ھ) کی یادگار میں بوہار (بُہار) ضلع بردوان) میں قائم کیا تھا۔ چنانچہ تقریبًا چار سال رامپور قیام کے بعد مولانا نے سو طلبہ کے ساتھ بوہار کا رُخ کیا جہاں آپ کا بڑی ہی گرم جوشی کے ساتھ استقبال ہوا اور منشی صدر الدین بوہاری نے مناسب مشاہرہ مقرر کر دیا اور طلبا کے قیام و طعام کا بھی معقول بندوبست کر دیا اور مولانا ایک مدت تک وہاں درس و تدریس میں مشغول رہے[2] مگر کچھ مفتریوں نے ان کے اور منشی صدر الدین بوہاری کے درمیان رنجش پیدا کر دی جس سے مولانا بیحد دل برداشتہ ہو گئے۔ جب اس کی خبر نواب والاجاہ محمد علی رئیس کرناٹک کو پہونچی جو اصلاً گوپامئو (ضلع ہردوئی) کے تھے تو انھوں نے ایک خط مع سفر خرچ مولانا کو مدراس بلانے کے لئے بھیجا[3] جسے مولانا نے قبول فرمایا۔

"اغصان الانساب[4] میں لکھا ہے کہ مولانا بوہار سے اٹھ کر پہلے کلکتہ آئے، یہاں نظام

۱۔ الحسنی: مصدر سابق، ص ۲۸۴ نیز شبلی نعمانی: مصدر سابق، ص ۱۱۸

۲۔ شبلی نعمانی: مصدر سابق، ص ۱۱۸ نیز کوکن مصدر سابق، ص ۱۵

۳۔ رحمان علی: حوالہ بالا ص ۳۰۴ - ۳۰۵

۴۔ اغصان الانساب (فارسی) از رضی الدین محمود فتحپوری (مخطوطہ)

حیدرآباد اور سلطان حیدر [علی] (ٹیپو سلطان کا باپ) کی متعدد عرضیاں آئیں کہ یہاں قدم رنجہ فرمائیے لیکن چونکہ ہم وطنی کا واسطہ تھا اس لئے مولانا نے مدراس کو ترجیح دی[1]۔

جب نواب والاجاہ کو بحرالعلوم کے مدراس کے قریب پہونچنے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے کچھ حاشیہ برداروں اور عزیزوں کو استقبال کے لئے بھیجا اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو جب وہ مدراس پہونچے تو بیرون شہر سے علماء واعیان پاپیادہ ہمراہ ہوکر انھیں نواب کرناٹک کے دولت خانہ تک لائے جہاں نواب والاجاہ نے مع شہزادوں کے استقبال کیا اور جب مولانا نے پالکی سے اترنے کا قصد کیا تو نواب نے اشارہ کیا کہ تشریف رکھئے اور پھر خود اپنے اور اپنے خویش واقارب کے کاندھوں کے سہارے پالکی صدر مقام تک لے گئے اور جہاں خود اس کی نشست تھی مولانا کو اس جگہ بٹھادیا اور مولانا کے قدم چومے اور کہا اللہ اکبر! یہ نصیب کہاں تھے کہ حضور کا قدم میرے گھر آتا۔"[2] پھر مولانا کا ایک ہزار روپیہ مشاہرہ مقرر کردیا اور ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرایا جس میں مولانا درس دیتے تھے۔ نواب ساری عمر پہلے ہی کی طرح بحرالعلوم کی آمد پر ان کا احترام کرتے اور دروازہ تک رخصت کرنے جاتے۔ نواب والاجاہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عمدۃ الامراء اور تاج الامراء نیز موخرالذکر کی دستبرداری کے بعد والاجاہ کے پوتے عظیم الدولہ نے بھی بحرالعلوم کے اعزاز واکرام میں کوئی فروگذاشت نہیں کی اور مولانا نے اپنی زندگی کے بقیہ دن وہیں گذارے۔

(باقی)

۱۔ شبلی نعمانی: مصدر سابق، ص ۱۱۹

۲۔ ایضاً بحوالہ اغصان اربعہ (فارسی) از ملا ولی اللہ فرنگی محلی (م ۱۲۷۰ھ) لکھنؤ: ۱۲۹۸) ص ۱۲۴